راجندر سنگھ بیدی کی مضمون نگاری

ڈاکٹر محمد ابوبکر فاروقی
لیکچرار اردو
گجرات یونیورسٹی، گجرات

RAJINDER SINGH BAIDI AS AN ESSAYIST

Muhammad Abu Bakr Faruqi, PhD
Lecturer in Urdu
Gujrat University, Gujrat

Abstract

Rajinder Singh Baidi is known as a fiction writer of Urdu. He is also a remarkable essay writer. This aspect of his literary personality is hitherto untraced and unacknowledged. Baidi wrote social, psychological as well as personal essays. Though main claim of his fame is his satirical writing yet his essay writing is also of great merit. This paper is an analytical study of his essay writings.

Keywords:

راجندر سنگھ، منٹو، جگدیش، شمس الحق عثمانی، خودنوشت، باقیات بیدی، اُردو، مزاح، افسانہ

راجندر سنگھ بیدی بلاشبہ بہت بڑے افسانہ نگار تھے۔انھوں نے افسانوں کے علاوہ ڈرامے بھی لکھے۔فلموں کے سکرپٹ لکھے،خطوط لکھے،ناول لکھا اور مضامین بھی لکھے۔گو اُن کی حیثیت بطور افسانہ نگار اور ناول نگار اس قدر مستحکم ہے کہ کوئی اور حیثیت پہچان نہیں بنا سکی مگر اس کے باوجود اُن کی دیگر کاوشیں قطعی نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں۔ہمارے نقادوں نے اسی اہمیت کے پیشِ نظر بیدی کے ڈراموں یا خطوط یا اُن کی فلمی سکرپٹ نگاری پر توجہ کی مگر اُن کے مضامین کی طرف توجہ نہیں دی۔

بے شک راجندر سنگھ بیدی کی مضمون نگاری اُن کی افسانہ نگاری کے مقام کو نہیں چھوتی مگر اس کے باوجود اُردو مضمون نگاری میں ایک اہم مقام کی حامل ہے۔اُن کی بہت سی فکری اور شخصی جہتیں اُن کے مضامین سے ہی اجاگر ہوتی ہیں۔اُن کا اسلوب بھی یہاں مضمون نگاری کے تقاضوں کو نبھاتے ہوئے افسانوی اسلوب سے کافی حد تک الگ نظر آتا ہے۔موضوعاتی تنوع بھی دکھائی دیتا ہے۔اگرچہ انھوں نے زیادہ مضامین نہیں لکھے مگر طرح طرح کے مضامین ضرور لکھے۔اِن میں انشائی مضامین بھی ہیں، شخصی بھی، سوانحی بھی، سماجی بھی اور ادبی تنقید سے متعلق مضامین بھی ہیں۔

اپنی ذات کے بارے میں لکھے گئے اُن کے مضامین خاصے مختصر مگر اہم اشاروں پر مبنی ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتے۔وہ اُن شخصیتوں میں سے نہیں جو اپنا ذکر چھیڑ کر دوسروں کے صبر کا امتحان لیتے ہیں اور نہ اپنی ہستی کے بارے میں کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار نظر آتے ہیں۔وہ انتہائی صاف گوئی کے ساتھ اپنا ذکر جلد مکمل کرتے ہیں ہاں اس میں بہت سے ایسے اشارے ضرور چھوڑتے ہیں جو تفصیل طلب ہوتے ہیں لیکن اس تفصیل سے معاملہ سننے والا کرتا ہے، وہ خود نہیں کرتے۔اپنی شخصیت سے متعلق انھیں تقدیر سے ایک گلہ ہمیشہ رہا کہ اُن کو اچھی شکل وصورت عطا نہیں کی گئی۔ ''خودنوشت'' کے عنوان سے لکھی گئی اپنی ایک انتہائی مختصر تحریر میں لکھتے ہیں:

> ''والد صاحب خوب صورت انسان تھے اور والدہ بدصورت تھیں۔قدرت کی ستم ظریفی مجھیے کہ دونوں میں جو چیز بُری تھی وہ ہم بہن بھائیوں کے حصے میں آئی۔''(۱)

اپنی حرماں نصیبی کا ان چند لفظوں سے زیادہ ذکر نہیں کیا مگر ہستی کے ایک بڑے درد اور بدنصیبی کا بڑی خوب صورتی سے اظہار کر دیا۔یہی کمال انھیں ایک بڑا خودنوشت نگار بناتا ہے۔اُن کے ہم عصر دوسرے ادیبوں نے اُن کی غیر موثر شخصیت کا اکثر ذکر کیا جس کی بنیاد پر جگدیش چندر ودھاون صاف صاف لکھتے ہیں:

> ''راجندر سنگھ بیدی معمولی شکل وصورت کے حامل تھے۔بظاہر انہیں دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ وہی بیدی ہیں جن کی افسانہ نگاری کا برصغیر میں شہرہ ہے۔۔۔اُن کی شخصیت اُس جاذبیت اور کشش سے عاری تھی جو دیکھنے والے کو اپنی جانب رجوع کرتی ہے۔''(۲)

اپنی ذات سے متعلق راجندر سنگھ بیدی نے انشائی طرز کے مضامین بھی لکھے جن سے اُن کی حسِ ظرافت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔انھیں نے اگر چہ مزاح نگاری کو مستقل طور پر نہیں اپنایا مگر اس کا اظہار انھوں نے اپنے مختلف مضامین میں کیا ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھیں اپنی ذات پر چوٹ کرنا اور ہنسنا آتا ہے جو مزاح کی ایک اعلیٰ طرز ہے اور بہت کم لکھنے والوں کو نصیب ہوئی ہے۔اور کمال یہ ہے کہ اس چوٹ کے پیچھے چھپا درد بھی اُن کے اسلوب میں سمٹ آتا ہے۔انتہائی تراش خراش اور صاف دل سے خود کو نشانہ بناتے ہوئے بہت سی سماجی حقیقتوں سے پردہ اُٹھانے کا فن راجندر سنگھ بیدی کو خوب آتا ہے۔اپنے مضمون ''آئینے کے سامنے'' میں لکھتے ہیں:

> ''اپنے آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے وہ کتا یاد آتا ہے جسے ایک ڈائریکٹر نے اپنی فلم میں لے لیا۔۔۔بے چارہ اچھا بھلا کتا تھا۔بازار میں گھومتا،کوڑے کے ڈھیر یا اِدھر اُدھر ہر جگہ کھانے کی کسی چیز کی تلاش میں سر دھنتا تھا لیکن فلم میں آجانے کے بعد وہ ایک معین تجارتی چیز،ایک جنس بن گیا جو بک سکتی تھی،جس کا بھاؤ ہو سکتا تھا،اس لیے ڈائریکٹر صاحب نے اسے باندھ کے رکھ لیا۔''(۳)

راجندر سنگھ بیدی کا سماجی شعور اس اقتباس سے پوری طرح واضح ہے۔انھیں اپنے عہد کی صارفیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کا پورا اندازہ ہے۔وہ اس سماج میں خود کو بھی ایک ایسی ہی جنس سمجھتے ہیں جو جس وقت تک بک سکنے کی اہل رہے گی،اہمیت کے قابل رہے گی،ورنہ کسی قابل نہیں۔راجندر سنگھ بیدی کو یہ احساس بڑی شدت سے تھا کہ اس کارزارِ حیات میں وہی چیز،بات،معاملہ اہمیت کا حامل ہے،حتیٰ کہ انسان بھی وہی کہ جس کا بھاؤ لگ سکتا ہے،جو بک سکتا ہے۔یہ خیال کسی سچے تخلیق کار کے لیے کسی کرب سے کم نہیں۔بیدی اس کرب سے تا حیات نبرد آزما رہے۔

''چلتے پھرتے چہرے'' میں راجندر سنگھ بیدی نے اسی انداز سے اپنے بیٹے پر خامہ فرسائی کی ہے۔یہ بھی ایک لاجواب مضمون ہے۔اپنے بیٹے کو موضوع بنا کر اپنے عہد کے نوجوانوں کی عکاسی کی ہے۔صرف عہد کی عکاسی نہیں کی بلکہ بیچ بیچ میں ہلکے پھلکے انداز سے بڑی مفکرانہ اور عالمانہ باتیں بھی کرتے جاتے ہیں۔یہ خاصیت بھی اُن کے تقریباً ہر مضمون میں موجود ہے۔وہ بنیادی طور پر مضمون نگاری سے شعور و آگاہی کے فروغ کا مقصد حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔بہر حال اپنے اس مضمون میں وہ اپنے بیٹے پر ہنسنے کا سامان یوں فراہم کرتے ہیں،مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''میرے بیٹے کا ماتھا چھوٹا ہے۔کہتے ہیں ایسی تنگ پیشانی کے لوگ زیادہ بھاگیہ وان نہیں ہوتے جس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ راک فیلر کے گھر میں پیدا ہونے کی بجائے ہمارے گھر

میں پیدا ہو گیا۔۔۔وہ فطرتاً بے صبر واقع ہوا ہے،اگر وہ کسی کی بات بیچ میں نہ کاٹے تو اپنے چہرے کے رگ و ریشوں کی خفیف سی جنبش سے دوسرے کو اس بات کا یقین دلا دیتا ہے کہ آپ کی بات تو میں آپ کے کہنے سے پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔۔۔یہ اس کی اسی ناطق خاموشی کی وجہ ہے کہ اسے اپنے آپ کو کبھی بے وقوف کہنے کی ضرورت نہیں پڑی غالباً یہ اس کی بے صبری نہیں،آج کل کی تیز رفتار دنیا ہے،جس سے میرا بیٹا مطابقت رکھتا ہے اور میں نہیں رکھتا۔"(۴)

یہاں طنز بھی ہے، معاشرتی تجزیہ بھی، جنریشن گیپ کے مسائل بھی؛اور انداز شگفتہ۔غرض یہ کہ ایک ایک پیراگراف میں بیدی اتنا کچھ سمو دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ایک اور کمال یہ کہ وہ بہ یک وقت خود کو دو طرفوں میں رکھ کر سوچنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔مثلاً مذکورہ بالا مضمون"چلتے پھرتے چہرے" میں اپنے بیٹے کو موضوع بناتے ہیں اور خود باپ کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور ایک باپ کے احساسات سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں مگر دوسری طرف اپنے ایک اور انشائی طرز کے ہی مضمون"جب میں چھوٹا تھا" میں خود ایک بچے کے طور پر سامنے آتے ہیں جس کی وجہ سے ایک بالکل مختلف نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔طنز یہاں بھی ایک مضبوط آلے کا کام کرتا ہے۔اپنے والد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ہم بچوں کو کہانیاں کیسے سناتے تھے۔اس حوالے سے یہ اقتباس ہمیں زیرِ لب تبسم کے ساتھ بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔بہت لطیف نقطہ بہت عمدگی سے ظاہر ہوتا ہے اور معاشرتی فہم عطا کر جاتا ہے۔لکھتے ہیں:

"میرے خیال میں بہت سے ماں باپ اور بہت سے بزرگ اپنے بچوں کو کہانی سناتے ہوئے اس فقرے سے شروع کرتے ہیں:'جب میں چھوٹا تھا یا چھوٹی تھی۔۔۔'اور انجام کار یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ بچپن ہی سے مضبوط ارادے کے مالک تھے اور سچائی کے پتلے تھے۔انہوں نے کبھی شرم و حیا کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا،کبھی جھوٹ نہیں بولا اور بڑوں کے سامنے کبھی گستاخی سے پیش نہیں آئے۔ان کے اخلاق کی بڑائی ان کے بچپنے کی ہر حرکت سے ظاہر تھی۔ایسی باتیں سن کر میرا جی بھی یہی چاہتا کہ ان کی مانند نیک بن جاؤں۔"(۵)

کس قدر لطیف، گہرا اور معاشرتی شعور رکھنے والا طنز ہے جس میں نہ تو کوئی رذالت ہے اور نہ تحقیر کا کوئی پہلو ہے۔یہی بات بیدی کے اسلوب کو معتبر بنانے میں معاون ٹھہرتی ہے۔اس مضمون کی ایک خاصیت یہ ہے کہ یہ مضمون افسانے کی سرحدوں کو چھوتا محسوس ہوتا ہے۔اس میں کلائمیکس اور اس کا انجام افسانوی انداز لیے ہوئے ہے۔اس کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیدی کے ہاں ہمیں افسانوی مضمون نگاری کے نمونے بھی ملتے ہیں۔

خالص انشائی مضامین کے ذیل میں راجندر سنگھ بیدی کے جو دو مضامین گنے جا سکتے ہیں وہ ''مہمان'' اور ''بیوی یا بیماری'' ہیں۔ یہ مضامین جدید انشائیہ نگاری کی عمدہ مثالیں کہی جا سکتی ہیں اور بیدی کو بلاشبہ ان مضامین کی بنیاد پر اُردو کے اہم انشائیہ نگاروں کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان مضامین میں لطافت، مزاح، شگفتگی، اسلوب کا ہلکا موڈ اور بات سے بات نکلنے اور اُس کے بننے کا آرٹ موجود ہے۔ اس کی ایک مثال بیدی کے مضمون ''مہمان'' سے دیکھیے، لکھتے ہیں:

> ''چناں چہ مہمان صاحب سو رہے ہیں ہمیشہ کی نیند نہیں، صبح وہ پھر جگ جائیں گے۔ ایک نہیں نیند آتی تو آپ کو اور آپ کی بیوی کو جو سوچ رہے ہیں کہ کل ان کو کیا کھلائیں گے؟ آپ سوچتے تو نیلا تھوتھا ہیں اور لاتے سیب ہیں، جن کا منہ بھی مہنگائی کے اس زمانے میں آپ نے مہینوں سے نہیں دیکھا۔ پھل بیچنے والا پیشہ ور آدمی ہے۔ وہ آپ کو دیکھتے ہی تاڑ جاتا ہے کہ ہو نہ ہو ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے۔''(۶)

یا پھر یہ مختصر اقتباس دیکھیے:

> ''پرانے زمانے میں انسان زیادہ تھے اور مہمان کہیں اکا دکا ملتا تھا۔ لیکن آج ۔۔۔ اس بھوکی ننگی دنیا میں مہمان ہی مہمان رہ گئے انسان کہاں نظر آتا ہے؟'' ۔۔۔
>
> نا صاحب! گھر میں مہمان لانے سے تو اپنی بیوی پہ سوت لے آنا اچھا۔''(۷)

''بیوی یا بیماری'' بھی ایک شاہ کار مضمون ہے۔ ایسے مضامین کے ہوتے ہوئے راجندر سنگھ بیدی کو اُردو کے مزاح نگاروں میں شمار نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہے۔ اس مضمون میں بیدی: پطرس بخاری کے بھی کان کترتے دکھائی دیتے ہیں۔

جس طرح محبوب ہمارے غزل گو شعرا کا مستقل موضوع ہے اسی طرح بیوی اصل میں ہمارے مزاح نگاروں کا ایک مستقل موضوع ہے اور اُن کی اس موضوع پر خامہ فرسائی سے بہت سے لوگوں کا کیتھارسس ہوتا ہے کیوں کہ جو بیوی کے بارے میں اظہار کی طاقت نہیں رکھتے وہ ان مزاح نگاروں کی ان تحریروں کو پڑھ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم اگر یہ کہیں کہ ہمارے مزاح نگار اس موضوع کو اپنا موضوع بنا کر بہت سے احباب پر نیکی کرتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ راجندر سنگھ بیدی نے بھی اس نیکی میں اپنا حصہ ڈالا ہے اور خوب ڈالا ہے۔ اُن کا مشاہدہ اتنا بھرپور اور جامع ہے کہ اس کی گواہی ایک شوہر ہی دے سکتا ہے۔ اگرچہ تانیثیت والے بیدی کو آڑے ہاتھوں لے سکتے ہیں مگر اس سے بیدی کے پیش کیے گئے حقائق پر کوئی فرق نہیں آتا۔ انھوں نے جو کہا ہے اُس سے کم از کم ہندوستان کا ہر شوہر اتفاق کرے گا۔(۸) اب ہم اس مضمون کے کچھ اقتباسات دیکھتے ہیں جو یقیناً دلچسپی سے کسی طور خالی نہیں اور اعلیٰ مزاح کے بہترین نمونے

کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔انھی کی بنیاد پر راجندر سنگھ بیدی کا شمار مزاح نگاروں میں کیے جانے کی سفارش کی جاتی ہے۔دیکھیے:

''بیویاں اپنی بیماری کی سب سے بڑی وجہ اپنے شوہر کو بتاتی ہیں ورنہ مائیکے میں وہ بھلی چنگی تھیں ---البتہ بیچ بیچ میں اس بات پر بھی مچلتی تھیں کہ ذرا بیمار ہو کر دیکھا جائے چناں چہ اسی امید اور خوشی میں ڈھول ڈھماکوں کے ساتھ---سسرال کی چوکھٹ پر پیر رکھتی ہیں۔تھوڑی ہی دیر کے بعد بیماری کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔''(۹)

''میں بڑی بیماری کی بات نہیں کرتا جو کہ بیوی خود ہوتی ہے۔ان چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا ذکر کر رہا ہوں جو دراصل کوئی وجود نہیں رکھتیں اور جو مرد کو اکسانے کے لیے بیوی دن رات پیدا کرتی رہتی ہے۔''(۱۰)

''شاذ ہی کوئی بیوی ہوگی جو مہینے میں چند دن بیمار نہ ہوتی ہو۔اس میں میری بیوی یا آپ کی بیوی کی بات نہیں، دنیا جہان کی، جملہ بیوی جات کا قصہ ہے---بیوی کی ماہانہ بیماری کی نوعیت الگ ہے اور سالانہ کی الگ---یہ ہم شوہر بھائیوں ہی کی ہمت ہے کہ بیماریوں کے اس پٹارے سے، جسے بیوی کہتے ہیں، محبت کرتے چلے جاتے ہیں۔''(۱۱)

سعادت حسن منٹو کی طرح راجندر سنگھ بیدی کا بھی فلم سے بہت گہرا تعلق رہا۔فلم نگری میں انھوں نے طرح طرح کے تجربات کیے۔ان تجربات کے حوالے سے بھی کچھ ہلکے پھلکے انداز کے مضامین لکھے۔ان مضامین میں فلم نگری سے اُن کی کچھ شکایات کا بھی پتہ چلتا ہے، اُن کی ناکامیوں کی بھی خبر ہوتی ہے اور فلمی دنیا کے کچھ ان دیکھے گوشے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔اگر چہ بیدی یہاں بھی انتہائی اختصار سے کام لیتے ہیں، اس قدر اختصار کہ تشنگی کا احساس شدت سے باقی رہتا ہے مگر اس کے باوجود یہ مضامین ہمیں بہت کچھ دیتے ہیں۔

اس ذیل میں بیدی کا ایک مضمون ہے''میں، کتابوں سے فلموں تک''۔اس مختصر سے مضمون میں بیدی نے یہ بتایا ہے کہ وہ کس طرح فلم انڈسٹری میں وارد ہوئے اور ایک فلم ''دستک'' بنائی۔بنیادی شکایت یہ ہے کہ بیدی کو فلم ساز یا دیگر فلمی احباب لکھنے کا انداز سکھانے لگے۔نتیجتاً بیدی ایک سین کو''آٹھویں بار لکھنے کی بجائے، کاغذوں کے پرزے پرزے کر کے اُس کی میز پر پھینک کر'' چلے آئے۔(۱۲) یہ وہ المیہ ہے جو بیش تر ادیبوں کو فلمی دنیا میں پیش آتا ہے۔

ایک اور مضمون ''فلم بنانا کھیل نہیں'' میں راجندر سنگھ بیدی نے فلم بنانے کی مشکلات کا ذکر اپنے تجربات کی روشنی میں کیا ہے۔اُن کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ''فلم یوں تو کھیل ہے لیکن اس کا بنانا کھیل نہیں۔''(۱۳)

اس مضمون میں بیدی نے بڑی سنجیدگی سے فلم میں پیدا ہونے والی مشکلات اوراُن کے تدارک پر بحث کی ہے۔یہ مضمون فلم سازوں کے لیے بہت مفید ہے۔اس میں اُن کے سیکھنے اور سمجھنے کا خاصا مواد موجود ہے۔

فلم کے حوالے سے بیدی کا مضمون ''سوانحی اور تاریخی فلمیں'' البتہ علمی نوعیت کا حامل نسبتاً ایک جامع مضمون ہے۔اس میں سوانح اور تاریخ کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ان دو طرز کی فلموں کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔اس مضمون سے بیدی کے تاریخی شعور کی پختگی کا بھی پتہ چلتا ہے اور تاریخ کے بارے میں اُن کے متوازن تصورات سے بھی آگاہی ملتی ہے۔اس مضمون میں بیدی کی عالمانہ حیثیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ علمی اسلوب کی حامل تحریر لکھنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔سوانحی اور تاریخی فلموں میں واقعات کی اہمیت کو زیرِ بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سوانح اور تاریخی باتوں میں آنے والے واقعات صرف افسانوی صلاحیتیں لیے ہوتے ہیں۔بنے بنائے افسانے نہیں ہوتے۔جس طرح عام ادب میں ہمیں زندگی میں ہونے والے واقعات میں رنگ بھرنا یا تصرف کرنا پڑتا ہے اُسی طرح سوانحی اور تاریخی کہانیوں میں بھی،لیکن واقعات کو جھٹلائے بغیر۔۔۔ہمارے لیے وہ نقطۂ نگاہ،وہ پراپیگنڈا مقدم ہے جسے ہم عوام کے سامنے رکھنے جا رہے ہیں۔''(۱۴)

فلمی اور ادبی شخصیات پر بھی بیدی نے کچھ مضامین لکھے۔ان میں سے کرشن چندر،باقر مہدی اور وجینتی مالا سے متعلق اُن کے مضامین بالکل سرسری نوعیت کے ہیں۔جب کہ خواجہ احمد عباس اور گیتا کے شخصی خاکوں میں نہ صرف جان ہے بلکہ تاثر کی شدت بھی خوب ہے۔یہاں بیدی کی Involvement پوری طرح اُجاگر ہے۔گیتا پر بیدی نے مضمون اُس کے مرنے کے بعد تحریر کیا تھا لہٰذا اس میں درد کی ایک لہر بھی موجود ہے جو غم کی فضا سازی کرتی ہے۔خواجہ احمد عباس کی شخصیت کو بھی بیدی نے اپنے انداز سے دیکھنے اور دکھانے کی پُرخلوص کوشش کی ہے۔لیکن اس ضمن میں جو سب سے شاہ کار مضمون کہا جائے گا وہ ''ترکِ غمزہ زن'' کے عنوان سے ہے جو اوپندر ناتھ اشکؔ کی شخصیت پر ہے اور جسے خاکہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔اوپندر ناتھ اشکؔ سے بیدی کے تعلقات بہت گہرے تھے ان کا اندازہ ہمیں اُن خطوط سے بھی ہوتا ہے جو بیدی نے اشکؔ کو لکھے۔یوں تو یہ سارا خاکہ ہی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے مگر اس کا یہ اقتباس تو خاصے کی شے ہے جو بیدی ہی لکھ سکتے تھے،دیکھیے:

> ''اشکؔ جسے پسند کرتا ہے اسے تسلیم بھی کرتا ہے۔۔۔یہ بات ہے جو میں نے اشکؔ میں بدرجۂ اتم پائی ہے۔آج جب میں اپنے پیچھے ادبی زندگی کے تیس سال دیکھتا ہوں تو ندامت سے اپنی گردن جھکا لیتا ہوں۔میں نے تو کسی نئے لکھنے والے کی مدد نہیں کی۔میں بھی اشکؔ

کی طرح اُن کی تعریف کرسکتا تھا۔۔۔لیکن میں میں ہوں اور اشک اشک ۔آج بھی، جب میں اشک سے ملتا ہوں تو اسے کسی نئے لکھنے والے کا نام لیتا ہوا پاتا ہوں ۔مجھے اچنبھا ہوتا ہے ۔وہ محبت جو انسان چوبیس گھنٹے اپنے ساتھ کرتا رہتا ہے نفرت سے بدل جاتی ہے اور چوں کہ آدمی ہر حالت میں اپنے آپ سے پیار کرنا چاہتا ہے اس لیے اشک سے آدمی چڑ جاتا ہے۔۔۔مجھے شروع سے ہی ایک احساس کم تری ہے ۔باوجود کوشش کے، دوسروں کی تحسین وتسلیم کے، میں اسے نہیں جھٹک سکا۔جیسے مجھے اپنے آپ پر یقین نہیں ۔کیوں یقین نہیں؟ اسے جاننے کے لیے کسی کو میری زندگی جینا پڑے گی اور اشک کو کیوں یقین ہے اس کے لیے اشک کی زندگی جینا پڑے گی ۔"(۱۵)

اس خاکے میں اشکؔ کی جو صورت بنی ہے وہ شاید ہی کسی اور ادیب نے بنائی ہو ۔اشکؔ کی تخلیقی زندگی، اُس کی اپنی بیوی سے محبت، اُس کے زندگی کے چیلنجز اور اُن چیلنجز کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا اشکؔ جس بھرپور انداز سے بیدی کی اس تحریر میں آشکار ہوا ہے وہ کہیں اور ممکن نہیں ۔اسی لیے شخصی مضامین میں یہ مضمون بیدی کا اہم ترین مضمون کہلائے جانے کا مستحق ہے ۔

راجندر سنگھ بیدی نے ادبی تنقید کے ذیل میں بھی کچھ مضامین لکھے، خاص طور پر "مختصر افسانہ"، "افسانوی تجربہ اور اظہار کے تخلیقی مسائل" اور ایک وہ دیباچہ جو بیدی نے اپنے افسانوی مجموعہ "دانہ ودام" کی پہلی اشاعت کے وقت اس میں شامل کیا ۔بیدی کی ان تنقیدی تحریروں کا بنیادی موضوع افسانہ اور اُس کا فن ہے ۔بیدی نے اس قدر کم تنقیدی سرمایہ کے، افسانہ سے متعلق کچھ بہت اہم باتیں کر دی ہیں، جنھیں اُردو کی افسانوی تنقید کے لیے نظر انداز کرنا آسان نہیں ۔سب سے اہم بات تو وہ یہ کرتے ہیں کہ افسانہ اور شعر میں کوئی بنیادی فرق نہیں سمجھتے، سمجھتے ہیں تو صرف اتنا کہ: "شعر چھوٹی بحر میں ہوتا ہے اور افسانہ ایک ایسی لمبی اور طویل بحر میں جو افسانے کے شروع سے لے کر آخر تک چلتی ہے ۔"(۱۶)

لیکن وہ اس بات کے حق میں نہیں کہ افسانے کی تحسین نظم کے حوالے سے کی جائے ۔افسانہ کی کسوٹی نثر کی شعریات ہی ہونی چاہیے ۔ساتھ ہی ساتھ یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک افسانہ لکھنا، شعر کہنے سے زیادہ مشکل فن ہے ۔اسی لیے وہ بڑے صاف الفاظ میں اپنی بات کرتے ہیں ۔لکھتے ہیں:

"یہ طے بات ہے کہ افسانے کا فن زیادہ ریاضت اور ڈسپلن مانگتا ہے ۔آخر اتنی لمبی اور مسلسل بحر سے نبرد آزما ہونے کے لیے بہت سی صلاحیتیں اور قوتیں تو چاہئیں ہی ۔"(۱۷)

بیدی کا ماننا ہے کہ افسانہ بنیادی طور پر ایک شعور اور ایک ایسا احساس ہے جو کسی میں کوشش سے پیدا نہیں کیا جا سکتا ۔اسی لیے وہ اپنے ایک اور مضمون "مختصر افسانہ" میں بڑے وثوق سے کہتے ہیں:

> ''کہانی ایک بنیادی فن ہے جو بڑی محنت اور ریاضت سے ہاتھ میں آتا ہے اور دھیرے دھیرے آپ کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔انسانی اساس کا احساس بن جاتا ہے۔'' (۱۸)

غرض یہ کہ راجندر سنگھ بیدی اپنے مضامین میں متنوع رنگ پیش کرتے ہیں؛ نہ صرف موضوعاتی سطح پر بلکہ اسلوبیاتی سطح پر بھی وہ تنوع کا مظاہرہ کرتے ہیں۔موضوع اور موضوع کی مناسبت سے اسلوب کو اپنانا بڑے ادیب کا ہی وطیرہ ہوتا ہے اور بیدی اس حوالے سے خود کو بلاشبہ کامیاب ثابت کرتے ہیں۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے مضامین میں طنز کی کاٹ بھی ملتی ہے،علمیت بھی اور بہ یک وقت شگفتگی بھی اور دل شکستگی بھی۔یہ وہ عناصر ہیں جو اسی صورت کسی مضمون نگار میں یک جا ہوتے ہیں جب وہ تخلیق کار بھی ہو اور اس میں کسی کو شک نہیں کہ بیدی اپنے عہد کے چند بڑے تخلیق کاروں میں سے ایک تھے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) بیدی،راجندر سنگھ:''خود نوشت''،مشمولہ ''باقیاتِ بیدی''،تحقیق و ترتیب:شمس الحق عثمانی،کراچی،شہرزاد۲۰۰۲ء(طبع اول)،ص:۷۸

(۲) جگدیش چندر ودھاون:''راجندر سنگھ بیدی: شخصیت اور فن''،دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰ء (طبع اول)،ص:۶۵اور۶۶

(۳) بیدی،راجندر سنگھ:''آئینے کے سامنے''،مشمولہ''عصری آگہی''(راجندر سنگھ بیدی نمبر)،دہلی،۱۹۸۲ء،ص:۱۷۹

(۴) ایضاً، ''چلتے پھرتے چہرے''،مشمولہ ایضاً،ص:۱۷۴

(۵) ایضاً، ''جب میں چھوٹا تھا''،مشمولہ ''مجموعۂ راجندر سنگھ بیدی''،تحقیق و تدوین:صلاح الدین محمود،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص:۱۲۳۹تا۱۲۴۰

(۶) ایضاً، ''مہمان''،مشمولہ ایضاً، ص:۱۲۹۱تا۱۲۹۲

(۷) ایضاً، ص:۱۲۹۰

(۸) ایم۔خالد فیاض:''اُردو کی مزاح نگاری میں 'بیوی' کا موضوع'' (غیر مطبوعہ مقالہ)،ص:۲

(۹) بیدی،راجندر سنگھ:''بیوی یا بیماری''،مشمولہ ''مجموعۂ راجندر سنگھ بیدی''،ص:۱۳۰۱

(۱۰) ایضاً، ص:۱۳۰۲

(۱۱) ایضاً، ص:۱۳۰۵ اور ۱۳۰۷

(۱۲) ایضاً،"میں، کتابوں سے فلموں تک"،مشمولہ"باقیاتِ بیدی"،ص:۸۴

(۱۳) ایضاً، "فلم بنانا کھیل نہیں"، مشمولہ"مجموعہ راجندر سنگھ بیدی"،ص:۱۳۰۸

(۱۴) ایضاً، "سوانحی و تاریخی فلمیں"،مشمولہ"باقیاتِ بیدی"،ص:۲۶۶

(۱۵) ایضاً،"ترکِ غمزہ زن"،مشمولہ ایضاً، ص:۲۳۰

(۱۶) ایضاً، "افسانوی تجربہ اور اظہار کے تخلیقی مسائل"،مشمولہ"جریدہ"(راجندر سنگھ بیدی:فن اور شخصیت)، دوسری کتاب،مرتب: تاج سعید، پشاور، مکتبہ ارژنگ،۱۹۸۴ء،ص:۵۹۱

(۱۷) ایضاً، ص:۵۹۱

(۱۸) ایضاً،"مختصر افسانہ"،مشمولہ"۱۹۶۳ء کے بہترین مقالے"،مرتبین: انتظار حسین،عزیز الدین احمد،لاہور،مکتبہ جدید،۱۹۶۴ء،ص:۵۶

✿✿✿